© rasailojaraid.com

غلام مصطفیٰ قاسمی

اجتماعیّت ○

شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں ○

(۲)

اصل میں فلسفہ نام ہے ذہنی تبدیلی کا۔ جب تک ذہن کو ایک طرف نہ لگایا جائے تو معاشرتی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ فلسفہ کا حاصل یہ ہے کہ عقل کے سامنے ایک چیز بطور مرکزی تصور کے پیش کی جائے اور باقی سب چیزیں اس کے ساتھ وابستہ کر دی جائیں۔ قرآن مجید نے اس مرکزی نقطہ کو ہر جگہ بیان فرمایا ہے اور سورۂ اخلاص میں اس وحدت مرکزیہ کی جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے وہ "اَحَد" یعنی ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور دوسری صفت "صَمَد" ہے۔ صَمَد اسے کہتے ہیں جس کی تمام چیزیں محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔

یونانی فلسفہ میں حقیقت قصویٰ یا ذات باری کے لئے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کا عربی ترجمہ "واجب الوجود" ہے یعنی جس کی ہستی دوسرے کی محتاج نہ ہو بلکہ وہ از خود موجود ہو، اسی طرح فارسی میں "خُدا" یعنی خود آمدہ۔

حضرت استاذ علامہ عبیداللہ سندھیؒ کی رائے میں اِسی معنیٰ کو ادا کرنے کے لئے قرآن مجید میں "صَمَد" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ فلسفیانہ طور پر اس کا ترجمہ واجب الوجود ہے[1]

[1] المقام المحمود ۔ امالی الاستاذ علامہ عبیداللہ سندھیؒ تفسیر پارۂ عم ۔ طبع حیدرآباد سندھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ صاحب کی نظر میں معاشرتی و اقتصادی ترقی اور طاقت عقلی فلسفہ کی پیداوار ہوتی ہے اور اسلام جیسے بین الاقوامی دین کا فلسفہ جملہ دنیا کی عقلیت پر غالب ہے۔ اس فلسفہ کی رُو سے اسلام اور انسانیت لازم و ملزوم ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ جس وقت تک انسانی نوع یہاں باقی رہے گی انسانیت کے لئے خود اسلام کا رہنا بھی ضروری ہے اور انسانیت کی ترقی سے ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات ذاتیہ کے کمال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ذاتی ملکیت سرمایہ دارانہ نظام کی نصرت و حمایت نہ صرف مالی سرمایہ داروں کی طرف سے ہوتی رہتی ہے بلکہ سرمایہ داروں کی ایک اور قسم یعنی علمی سرمایہ داروں کی طرف سے بھی ہوتی ہے۔ ان کا یہ کام ہوتا ہے کہ مالی سرمایہ داروں کی حیاسوز حرکات اور ارتکاز دولت کے جواز میں شریعت کی آڑ لیتے ہیں حالانکہ شریعتِ مطہرہ کی رُوح نظامِ سرمایہ داری کے ہی خلاف ہے۔ قرآن مقدس کی رُو سے تو فرد ہو یا مجتمع دنیا کی کسی بھی چیز کا ذاتی مالک نہیں ہے۔ ہر چیز کا اصل مالک صرف باری تعالیٰ ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے، انسان اس کی طرف سے نیابت کے فرائض انجام دے رہا ہے اور اس میں ہر چیز معاشرہ کی ملکیت میں داخل ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی اس آیت ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا کی تفسیر کرتے ہوئے سلسلۂ ولی اللٰہی کی مشہور علمی شخصیت شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن ارشاد فرماتے ہیں:

جملہ اشیاءِ عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا تمام بنی آدم کی ملک معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے دفع حوائج (حاجات) جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی شئے فی حد ذاتہ (بذات خود) کسی کی مملوک خاص نہیں، بلکہ ہر شئے اصل خلقت میں جملہ ناس (انسان) میں مشترک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے۔ ہاں بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علت ملک مقرر کیا گیا اور جب تلک کسی شئے پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی ہے اس وقت تک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا۔ ہاں خود مالک و قابض کو چاہئے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالہ کردے۔ کیونکہ باعتبار اصل اوروں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہورہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مالِ کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا گو زکوٰۃ بھی ادا کردی جائے۔ اور انبیاء و صلحاء اس سے بغایت مجتنب رہے، چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے بلکہ بعض صحابہؓ وتابعین وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرما دیا۔ بہرکیف غیر مناسب وخلاف اولیٰ ہونے میں توکسی کو کلام ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجہ (ضرورت سے زیادہ سرمایہ) سے اس کی تو کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی مِلک مِن وجہٍ (ایک لحاظ سے) اس میں موجود۔ تو گویا شخص مذکور مِن وجہ (ایک لحاظ سے) مالِ غیر میں قابض ومتصرف ہے اور اس کا حال بعینہ مالِ غنیمت کا سا تصوّر کرنا چاہیئے، وہاں بھی قبل تقسیم یہی قصّہ ہے کہ مالِ غنیمت تمام مجاہدین کا مملوک سمجھا جاتا ہے مگر بوجہ ضرورت وحصولِ انتفاع" بقدر حاجت ہر کوئی مال مذکور سے منتفع ہوسکتا ہے۔ ہاں حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہئے (یعنی خائن شمار ہوگا) ے۱

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی اپنی معرکۃ الآراء تالیف "آبِ حیات" میں جملہ اموال کو مباح الاصل قرار دیا ہے اور بوجہ قبض واستیلاء یا غلبہ مملوک کہلاتے ہیں ہر چیز اپنی ذات میں اللہ کی مِلک ہے۔ بیع وشراء، اجارہ، ہبہ، اور میراث وغیرہ اسبابِ حصولِ قبض ہیں اسبابِ مِلک بالذات نہیں۔ ے۲

مصر کے مشہور محقق عالم مفتی محمد عبدہ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

"یہ جملہ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا جمیع فقہاء کے اس معروف ومشہور قاعدہ پر دلیل ہے کہ مخلوق اشیاء میں اصل اباحت ہے اور اس سے مراد تمام اشیاء سے کھانے، پینے، اوڑھنے، دوا دارو، سواری اور زینت

ے۱ ایضاح الادلۃ ص۲۶۸ ے۲ آبِ حیات ص۹۲ مطبوعہ مجتبائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا کام لیا جاسکتا ہے، مخلوق کو اپنی دینداری دکھانے کے لئے کسی ایسی شئ کو حرام کہنے کا حق نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مباح قرار دیا ہے۔ حلّت و حرمت کا تمام تر مدار خدا کی طرف سے وحی اور اجازت پر ہے[۱]۔

بعض علماء مال و دولت کے حقوق کے سلسلہ میں صرف زکوٰۃ کو فرض قرار دے کر سرمایہ داری اور ارتکاز دولت کے جواز کے قائل ہوگئے ہیں حالانکہ اس طرح معاشرہ کو تنگ دستی، افلاس اور بدحالی سے نجات نہیں مل سکتی۔ محققین علماء اور ائمہ اسلام کی یہ رائے ہے کہ زکوٰۃ کے سوا مال و دولت میں دوسرے بھی حقوق واجبہ ہیں، قرآن مجید کی سورۂ بقرہ کی تیسری آیت میں متّقین کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد ہوا ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (ہم نے ان کو جو رزق عطا کیا ہے اس سے خرچ کرتے رہتے ہیں) اس آیت میں انفاق یا خرچ کرنے کے متعلق ائمۂ مفسرین کی مختلف آراء ہیں، حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن العربی نے ان اقوال کو ذکر کرنے کے بعد اس کو ترجیح دی ہے کہ یہاں صرف زکوٰۃ مراد نہیں ہے۔ لیکن انفاق سے مراد و مطلب عام ہے، چاہے زکوٰۃ ہو یا دوسرے حقوق ہوں کیونکہ "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" و "یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ" میں "غیب" اور "صلوٰۃ" عموم پر محمول ہے تو یہاں بھی انفاق سے عام معنی مراد ہوں گے[۲]۔

حافظ ابن العربی مالکی نے محققین کے اس قاعدہ پر کہ ہر شئی میں اصل اباحت (مباح ہونا) ہے یہ اعتراض کیا ہے کہ "اگر اس قاعدہ کو مان لیا جائے تو اس سے رشتہ داروں اور قریبی اعزّہ کا باہمی نزاع پیدا ہوگا، صلہ رحمی منقطع ہو جائے گی اور باہمی جنگ و جدال شروع ہو جائے گا۔" اس کے جواب میں اتنا کافی ہے کہ یہ نزاع اور جنگ و جدال تو

---

[۱] ان هذه الجملة هي نص الدليل القطعي على القاعدة المعروفة عند الفقهاء ان الاصل فی الاشیاء المخلوقة الاباحة۔ والمراد بالاباحة الانتفاع بها اكلاً وشرباً ولباساً وتداوياً وركوباً وزينة الخ۔ تفسیر المنار جلد ۱ صفحہ ۲۴۷ طبع دار المنار ۱۳۷۳ھ [۲] احکام القرآن تالیف حافظ ابوبکر ابن العربی جلد ۱ صفحہ ۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تب ہو جب قبض، استیلاء اور غلبہ کو ملک ظاہری کا سبب قرار نہ دیا جائے یا اس کو سارے معاشرے کی ملکیت قرار نہ دیا جائے۔

ضرورت سے زائد مال نہ رکھا جائے مشہور محدث ابن حزم ظاہری اندلسی نے اس سلسلہ میں اپنی مشہور عالم تالیف محلی میں جو روایات نقل کی ہیں وہ مولانا شیخ الہند محمود الحسن رح کی مذکورہ تحقیق کی کھل کر تائید کرتی ہیں کہ ضرورت سے زائد مال محتاجوں میں تقسیم کیا جائے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کان معہ فضل ظہر فلیعد بہ علی من لا ظہر لہ، ومن کان لہ فضل من زاد فلیعد بہ علی من لا زاد لہ۔ قال: فذکر من اصناف المال ما ذکر، حتی رأینا انہ لا حق لاحد منا فی فضل۔

(محلی - لابن حزم ج ۶ ص ۱۵۷-۱۵۸)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس اپنی حاجت سے زائد سواری ہو تو اسے چاہئے کہ وہ کسی ایسے شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو۔ اور جس کے پاس کھانے پینے کا سامان حاجت سے زائد ہو تو اسے چاہئے کہ زائد از ضرورت سامان حاجتمند کو دیدے۔" ابو سعید خدری رض کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح مال کے مختلف انواع کا ذکر فرماتے رہے حتی کہ ہم نے یہ سمجھا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے زائد مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء، فقسمتہا علی فقراء المہاجرین۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس چیز کا مجھے اب اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے علم ہوتا تو میں مالداروں کی زائد از ضرورت دولت اور مال لے کر فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا۔

وصح عن ابی عبیدۃ بن الجراح و ثلثمائۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہم ان

حضرت ابو عبیدہ اور تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایت صحت کو پہنچی ہے کہ ان کے کھانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نزادهم فنی فامرهم ابوعبیدة فجمعوا ازوادهم فی مزودین وجعل یقوتهم ایاها علی السواء -

پینے کا سامان ختم ہو رہا تھا۔ حضرت ابوعبیدة رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جتنا موجود ہو اس کو حاضر کرے پھر سب نے اپنے اپنے سامان کو دو توشہ دانوں میں جمع کیا۔ اور حضرت ابوعبیدہؓ اس سب کو سب میں برابر تقسیم کرتے تھے۔

عن محمد بن علی انہ سمع علی بن ابی طالبؓ یقول: ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اقواتهم بقدر ما یکفی فقراءهم فان جاعوا او عروا وجهدوا فیمنع الاغنیاء وحق علی اللہ تعالیٰ ان یحاسبهم یوم القیامۃ و یعذبهم علیه -

محمد بن علی سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے مالداروں کے اموال پر ان کے فقراء کی حاجت کو بقدر کفایت پورا کرنا فرض قرار دیا ہے۔ پس اگر وہ بھوکے، ننگے یا معاشی تکلیف میں مبتلا ہوں گے اس لئے کہ مالدار اپنا حق ادا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کا حق ہے کہ ان سے قیامت کے دن حساب لے اور اس پر انھیں عذاب دے۔

اس مسئلہ میں ہم قارئین کی توجہ فقہ حنفی کے ایک عظیم محقق حجۃ الاسلام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص (وفات ۳۷۰ھ) کی تالیف شہیر احکام القرآن کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ امام موصوف نے اس کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے "باب۔ هل فی المال حق واجب سوی الزکوٰۃ؟" (یعنی مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی حق واجب ہے؟) اس باب کے تحت چند آیات قرآنیہ و احادیث نبویہؐ کے ذکر کے بعد وَآتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی کے تحت صاحب موصوف رقمطراز ہیں:

"اس آیت میں صدقۂ واجب اور صدقۂ نفل دونوں کا احتمال ہے اور نفس آیت میں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ اس سے مراد صدقۂ واجب ہے، اس آیت میں تو صرف ترغیب اور اس پر ثواب کے وعدہ کا ذکر ہے۔ کیوں کہ آیت میں بِرّ کا لفظ ہے اور یہ فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیت کے سباق اور تلاوت کے نسق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زکوٰۃ تو مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ میں زکوٰۃ کو اس پر عطف کیا گیا ہے۔ عطف کرنے سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے جس صدقہ کا بیان ہے اس سے مراد و مطلب زکوٰۃ نہیں ہے تو پھر اس سے زکوٰۃ کے سوا دوسرے حقوق واجبہ مراد ہو سکتے ہیں جیسے صلۂ رحمی، جب کوئی رشتہ دار شدید تکلیف میں مبتلا ہو، یا بھوکے انسان جن کو بھوک نے ستایا ہو ان کو اتنا دینا ضروری ہے کہ ان کی بھوک کا سدّ باب ہو جائے۔

شریک ابو حمزہ سے اور وہ عامر سے، عامر فاطمہ بنت قیس سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ "مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے اور پھر اس آیت کو پڑھا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰکِنَّ الْبِرَّ الخ"

اس کے بعد امام ابو بکر جصاص رازی حنفیؒ نے زکوٰۃ کے سوا حقوق واجبہ کی چند مثالیں دیکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی اس حدیث کا بھی جواب دیا ہے جس میں زکوٰۃ کو جملہ صدقات کا ناسخ بتایا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی الخ کو اگر غور سے پڑھا جائے تو اس سے ہمیں تعلیم ملتی ہے کہ اجتماعیت یا معاشرہ کو اعتدال پر قائم رہنا چاہئے۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب مذکورہ آیت پر عمل ہو۔ صالح اور متوسط معاشرہ میں اجتماعیت مال و دولت کو ایک جگہ میں جمع ہونے نہیں دیتی بلکہ اس کا یہ کام ہوتا ہے کہ قوم کے افراد کو ان کی ضرورتوں اور حاجتوں سے غنی اور بے پرواہ بنا دے۔ تمدن کے بقا اور طویل مدت تک اس کے چلنے اور زندہ رہنے کا یہی طریقہ ہے۔ اس آیت میں جس معتدل اور متوسط معاشرہ کا ذکر ہے ایسا معاشرہ مال کے ساتھ محبت رکھتے ہوئے بھی اس کو اپنے رشتہ داروں میں بانٹ دیتا ہے اور ان میں سے کسی ایک فرد کو بھی محتاج نہیں چھوڑتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضروری تنبیہ قرابت داروں پر مال کی تقسیم کی دو صورتیں ہیں : اول یہ کہ اس میں حکمت اور عقلمندی ملحوظ رہے ۔ جس کی یہ صورت ہے کہ اپنے جملہ اقارب کو دیکھنا چاہیئے اور انھیں ان کی استعداد اور لیاقت کے مطابق کسی کاروبار میں لگادینا چاہیئے ۔ اگر ان میں سے کوئی سرمایہ کی قلت کی وجہ سے کوئی کام نہیں کرسکتا تو ضرورت کے موافق اس کی مالی امداد کی جائے تاکہ وہ اپنی روزی کمانے کے قابل ہوجائے ۔ حکمت کے اصول پر قرابت داروں میں صحیح انفاق اور خرچ کرنے کی یہی صورت ہے ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان کو کسی کاروبار میں نہ لگائے اور ان کی ضروریات زندگی کا کفیل ہوجائے ۔ یہ اس کے اور اس کے اقربا اور اعزہ کے حق میں خطرناک اور مہلک طریقہ ہے ۔

قرابت داروں پر خرچ کرنے کے ذکر کے بعد مذکورہ آیت میں یہ حکم ہے کہ قوم کے یتامیٰ اور مساکین پر حکمت کے اصول کے مطابق خرچ کیا جائے ۔ اس حکمت کی پیغمبر علیہ السلام نے اس طرح تعلیم فرمائی ہے کہ " ایک شخص نے آپؐ سے کسی چیز کا سوال کیا ۔ آپؐ نے اس کو سوال کرنے سے منع فرمایا اور اس کے پاس جو مختصر رقم تھی اس سے اوزار خریدنے اور لکڑی کاٹ کر فروخت کرنے کا حکم دیا ۔ وہ شخص آپؐ کے اس حکم کی تعمیل کے نتیجہ میں خود کفیل ہوگیا ۔

تیسرے درجے میں غیر قوم کے حاجتمند آزاد افراد ہیں جیسے مسافر یا کسی ضروری چیز کا سائل پھر غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کیا جائے ، یہاں تک کہ اس انفاق میں کسی مسلمان کی تخصیص نہیں ہے ۔ مشرک اور ذمی کفار پر بھی شریعت نے خرچ کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے ۔

امام ابوبکر جصاص رازی حنفیؒ نے لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰھُمْ کے تحت مذکور تحقیق کا بھی ذکر فرمایا ہے ۔

الغرض مال اور دولت کو ایک جگہ جمع نہ کیا جائے بلکہ اپنی ضروری حاجت سے زائد مال کو ضرورتمند انسانوں پر خرچ کرنا چاہیئے ، جب کسی قوم کا مال اور دولت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلسلہ میں دستور العمل مذکورہ تصریحات کے مطابق ہو گا تو وہ تباہی اور انقلاب سے بچ جائے گی ۔

اگر کسی معاشرہ کے چند افراد مال و دولت اور سرمایہ جمع کرنے پر جاگے اور حاجتمندوں کے معاملہ میں بخل سے کام لیا تو یہ معاشرہ ایک نہ ایک دن ہلاکت اور بربادی کے ایسے گڑھے میں جاگرے گا جس سے اس کی نجات مشکل ہوگی ۔

خلاصہ یہ کہ صالح اجتماعیت اور متوازن معاشرہ میں سرمایہ داری کو کبھی برداشت نہیں کیا جاتا، ایسے معاشرہ کے لئے کوآپریٹو سوسائٹی کی طرح مضاربت کے اصول اشراکیت ضروری ہے اور مضاربت اس وقت ہو سکتی ہے جب ربا کو قطعی طور پر حرام قرار دیا جائے ۔ اور لوگوں کو ہر قسم کے ربا اور سودی معاملات اور مال و دولت کے اکتناز سے روک دیا جائے کیونکہ اکتناز و احتکار سے سرمایہ داری نظام کو مدد ملتی ہے اور سرمایہ داری نظام اسلام کی روح کے خلاف ہے ۔ اسلام اکتناز کی کسی بھی صورت کو برداشت نہیں کرتا کہ مال و دولت تقسیم ہونے کے بجائے سمٹ کر کسی مخصوص طبقے میں بند ہو جائے اور اس طرح عوام مفلوک الحال ہو جائیں ۔ اس ضمن میں سورۂ توبہ کی یہ نص موجود ہے :

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○

(سورۂ توبہ - آیت)

اور جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ جس دن اس مال پر دوزخ کی آگ دھکائی جائے گی پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلو، اور ان کی پیٹھ کو داغ دیا جائے گا ۔ یہ وہ ہے جسے تم نے اپنے واسطے خزانہ بنا کر رکھا تھا ۔ اور چکھو مزا اپنے خزانہ جمع کرنے کا ۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی مرحوم انفاق کے متعلق اس قسم کی آیات نقل کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد رقمطراز ہیں :

"ان آیات کی تفسیر میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ اور دوسرے مالی فرائض ادا نہ کئے گئے ہوں تو وہ مال احتکار واکتناز کی فہرست میں شامل اور کنز سے متعلق وعید کا مصداق ہے اور اس قسم کی دولت و ثروت کا کا نام سرمایہ داری ہے اور یہ حرام اور باطل ہے اور تباہ کرنے کے قابل ہے"[1]

اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام کی وہ خرابیاں جو معاشی عادلانہ نظام کو بگاڑتی اور خراب کرتی ہیں ان سب کو اسلام میں ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی یہ دلیل بڑی مدلل ہے :

اعلم ان اللہ تعالیٰ لما خلق الخلق وجعل معایشھم فی الارض و اباح لھم الانتفاع بما فیھا وقعت بینھم المشاحۃ والمشاجرۃ فکان حکم اللہ عند ذلک تحریم ان یزاحم الانسان صاحبہ فیما اختص بہ لسبق یدہ الیہ او ید مورثہ او لوجہ من الوجوہ المعتبرۃ عندھم الا بمبادلۃ او تراضی معتمد علی علم من غیر تدلیس ورکوب غرر۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور زمین میں ان کی معاشی زندگی کے لئے سب کچھ سامان تیار کیا اور اسے ان سب کے لئے مباح کردیا تو اس سے نفع حاصل کرتے ہیں، لوگوں کے درمیان مزاحمت اور جھگڑا پیدا ہوگیا تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب کوئی شخص کسی شئی کو اپنے ہاتھ میں کرنے میں یا مورث کے قبضہ کی وجہ سے اس کی وراثت میں آجائے یا ان کے سوا دوسرے معتبر طریقوں سے ان کا قبضہ ہوجائے تو ایسی صورت میں کسی دوسرے شخص کو اس کی مقبوضہ شئی میں مزاحمت نہیں کرنی چاہیئے بجز اس صورت کے کہ خرید و فروخت یا معتبر طریقہ

© rasailojaraid.com

[1] اسلام کا اقتصادی نظام ص۲۶۵ طبع ندوۃ المصنفین دہلی

© rasailojaraid.com

سے باہمی رضا مندی سے معاملہ طے ہو جائے کہ دونوں کو اس کا صحیح علم ہو اور اس میں دھوکے کو دخل نہ ہو۔

آگے لکھتے ہیں :

وایضاً لما کان الناس مدنیین بالطبع لاتستقیم معایشھم الا بتعاون بینھم نزل القضاء بایجاب التعاون وان لایخلو احد منھم مما لہ دخل فی التمدن الا عند حاجۃ لا یجد منھا بدا۔

اور نیز جبکہ انسان مدنی الطبع واقع ہوئے ہیں تو ان کی معاشی زندگی باہمی تعاون واشتراک کے بغیر ناممکن ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے تعاون اور باہمی اشتراک کو واجب قرار دیا ہے اور یہ بھی واجب اور ضروری ٹھہرایا کہ کسی کو بھی ایسی چیز سے الگ ہونے کا حق نہیں ہے جو تمدن میں داخل ہو، مگر کسی ایسی مجبوری کے وقت جس سے چھٹکارا ناممکن ہو۔

لیکن ایک بات یاد رکھی جائے کہ شریعت نے جو مال مباح سے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اس سے اکتناز و احتکار کی صورت میں ناجائز فائدہ حاصل نہ کیا جائے کیوں کہ اس طرح ایک طرف سرمایہ داری کے لئے راستہ صاف ہو جاتا ہے جو اسلام کی روح کے سراسر خلاف ہے اور دوسری طرف یہ دوسرے افراد کے لئے تنگیٔ معاش کا سبب اور ذریعہ بن جاتا ہے اور اس سے معاشرہ اور تمدن میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے شاہ صاحبؒ نے مال مباح سے فائدہ حاصل کرنے کی کچھ شرائط بھی بیان فرمائیں، وہ یہ ہیں :

ویشترط فی ذلک ان لایضیق بعضھم علی بعض بحیث یفضی الی فساد التمدن۔

اور مباح مال سے فائدہ حاصل کرنے کی یہ شرط ہے کہ ایک فرد دوسرے فرد کے لئے معاشی تنگی کا باعث نہ بن جائے اور اس طرح وہ تمدن کو فاسد کر دے۔

آخر میں فرماتے ہیں :

فان کان استنماء فیھا بما لیس لہ دخل فی التعاون [illegible]

ان تمام معاملات میں صحیح تعاون واشتراک عمل ضروری ہے اور اگر مال [illegible] طریقہ سے کی جائے کہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

او بما ھو تراض یشبہ الاقتضاب کالربا فان المفلس یضطر الی التزام ما لا یقدر علی ایفاءہ و لیس رضا فی الحقیقۃ ، فلیس من العقود المرضیۃ ولا الاسباب الصالحۃ وانما ھو باطل وصحت باصل الحکمۃ المدنیۃ ۔

(حجۃ اللہ البالغۃ - ابواب ابتغاء الرزق - ج ۲ ص ۷۰ مطبع الخیریۃ مصر)

یں تعاون کو بالکل دخل ہی نہ ہو جیساکہ جوا ، یا ایسے طریقے سے عمل میں آئے کہ بظاہر تعاون معلوم ہوتا ہو لیکن وہ حقیقت میں زبردستی کا تعاون ہو تو یہ حقیقی تعاون نہیں ہوتا جیساکہ ربا کا کاروبار ، اس لئے کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک نادار اپنی معاشی پریشانیوں کی وجہ سے ایسی ذمہ داریوں کو اپنے ذمہ لینے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے جنھیں پورا کرنے کی اپنے میں طاقت نہیں پاتا اور اس کی اس قسم کی رضامندی ہرگز رضامندی نہیں کہلائی جاسکتی ہیں اور نہ ان کو معاشیات کے اسباب صالحہ کہا جاسکتا ہے، بیشک اس قسم کے معاملات حکمت تمدن کی نظر میں باطل اور ظلم ہیں ۔

ایک شبہ اور اس کا جواب مستشرقین کی طرف سے اسلام پر یہ سوال وارد کیا جاتا ہے کہ اسلام اموال سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیتا ہے حالانکہ سود یا ربا متاعِ تجارت میں نفع کی طرح ہے ۔ یہ ظاہر ہے کہ جب مال و دولت سے نفع حاصل کرنا حرام ہوگا تو انسانیت اپنی اجتماعیت اور اشتراکیت میں عالی اور بلند تمدن کی طرف کس طرح ترقی کرسکے گی ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام مال سے انتفاع کی جملہ صورتوں کو حرام قرار نہیں دیتا وہ تو صرف ایک خاص صورت کو حرام قرار دیتا ہے جو یہ ہے کہ نفع اور نقصان مالدار اور مزدور یا عامل میں مشترک نہ ہو ، مثلاً مالدار تو نفع کا مالک ہوگا اور نقصان عامل یا مزدور کو تو پہنچے تو اس کا نام ربا یا سود ہے ، کم یا زیادہ ، یہ قطعاً حرام ہے ۔ اس میں حیلہ کی کوئی بھی صورت جائز نہ ہوگی ، کیونکہ سودی کاروبار سرمایہ داری کی بنیاد ہوتا ہے ۔ باقی اس کو مال تجارت سے انتفاع کی طرح سمجھنا ایک دھوکہ ہے ۔ عرب کے مشرک بھی اسی طرح کہتے تھے کہ اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا یعنی "بیع بھی تو ربا کی طرح ہے"۔ اگر رِبا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرام ہے تو تجارت کو بھی حرام کہنا چاہئے۔

زکوٰۃ کی بحث قرآن حکیم میں نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو اکثر ساتھ رکھا گیا ہے اور ان دونوں کا ذکر اکٹھا آتا ہے، یہ دونوں اسلام کے عملی فرائض میں شمار ہوتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے فلسفہ کی رُو سے نماز کے معنیٰ ہیں اس تجلّی باری کی طرف متوجہ ہونا جو کہ مقدس ملائکہ اور ارواحِ طیبہ کی مجلس (حظیرۃ القدس) پر پڑتی ہے، زکوٰۃ ایک خاص قانون کے تحت مال خرچ کرنے کا نام ہے۔

اسلام میں اس قانون کے دو درجے ہیں: پہلا درجہ مکہ میں تھا، قرآن کی اصطلاح میں اس کا نام عفو ہے یعنی حاجت سے زائد مال کا انفاق یا خرچ کرنا۔ اس میں کسی خاص نصاب اور حصے کی تعیین نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکّہ میں اقامت پذیر تھے تو حکومت اجتماعیہ کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنے ماننے والوں سے زائد از حاجت مال کے انفاق کا مطالبہ کرے۔ اس انفاق میں اجتماعی حکومت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نائب مقرر کیا تھا اس کے لئے کوئی بیت المال نہیں تھا۔ جس میں اس قسم کے اموال جمع کئے جاتے۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ کا لفظ مختلف سورتوں کی بتیس (۳۲) آیات میں آیا ہے، وہ سورتیں یہ ہیں:

البقرۃ۔ النساء۔ المائدۃ۔ الاعراف۔ التوبۃ۔ الکہف۔ مریم۔ الانبیاء۔ الحج۔ المؤمنون۔ النور۔ الروم۔ لقمان۔ الاحزاب۔ فُصّلت۔ المجادلۃ۔ المزمل۔ البیّنۃ۔

ان سورتوں سے کچھ تو مکّی ہیں۔ اور کچھ مدنی سورتیں ہیں۔ زکوٰۃ کے مخصوص حصے کا تعین باتفاقِ علماء مدینہ طیبہ میں ہوا تھا۔ اس لحاظ سے مکّی سورتوں میں جو زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے اس نے مفسّرینِ کرام کو اس تاویل پر مجبور کیا ہے کہ ایسی سورتوں میں زکوٰۃ سے مراد صدقۂ نفلی ہے، حالانکہ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت تو مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی اور حصّہ کا تعین مدینہ منورہ میں ہوا۔ حقیقت وہی ہے جو اوپر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذکور ہوئی کہ شاہ صاحبؒ کے نظریہ کے مطابق مکّہ مکرمہ میں اجتماعی حکومت قائم ہو چکی تھی، مسلمان اپنے نزاعی معاملات کے تصفیہ کے لئے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور اجتماعی حکومت نے انفاق کے معاملہ میں مسلمانوں کو خود اُن کی اپنی صوابدید پر چھوڑ کر اپنا نائب بنالیا تھا۔ معاشرہ کو جتنی امداد کی ضرورت ہوتی تھی اس کے مطابق مالی فرائض میں ان کو یہ حکم تھا کہ حاجت سے زائد مال ضرورتمندوں پر خرچ کیا جائے۔ مکہ مکرمہ میں قبل از ہجرت بیت المال کی کوئی صورت نہ تھی، مالِ غنیمت اور دوسرے ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے حاجت کے مطابق انفاق کا حکم تھا۔ ہجرت کے بعد یہ صورت بدل گئی، مالِ غنیمت آنا شروع ہوا بیت المال بن گیا، بہ نسبت مکّہ کے خوشحالی آگئی تو زکوٰۃ میں حدیث کی رُو سے ۱/۴۰ حصہ کا تعین ہوا۔ سورۂ بقرہ اگرچہ مدنی ہے لیکن اس کی آیت ۲۱۹ میں یہ ارشاد ہوتا ہے وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔ یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے یہ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، تم کہہ دو کہ حاجت سے زائد مال کو خرچ کردو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خرچ کی مقدار ذکر نہیں فرمائی بلکہ زائد از حاجت کے انفاق کا حکم دے کر ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا تاکہ جہاد اور دوسری ضروریات کے معاملہ میں ضرورت کو ملحوظ رکھیں اور اپنی فہم و بصیرت سے کام لیں۔

مفتی محمد عبدہ مصری "العفو" کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

وھو الفضل والزیادۃ عن الحاجۃ وعلیہ الاکثر۔ وقال بعضھم ان العفو نقیض الجھد ای ینفقون ما سھل وتیسّر لھم مما یکون فاضلاً عن حاجتھم وحاجۃ من یعولون[1]	عفو کے معنی ہیں حاجت سے زائد مال۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ عفو جہد کی ضد ہے۔ معنیٰ یہ ہوں گے کہ ان کے لئے جو سہل اور آسان ہو اس کو خرچ کریں جو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حاجت سے زائد ہو۔

---

[1] تفسیر المنار ج ۲ ص ۳۳۷ طبع دار المنار۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کے ابتدائی دور میں، اس دستور پر عمل رہا کہ اجتماعی خوش حالی کا خیال رکھا جاتا تھا، معاشرہ کے ہر فرد کا معیشت میں مساوی حق سمجھا جاتا تھا۔ وقت کے خلیفہ کا بھی بیت المال میں اتنا ہی حق ہوتا تھا جتنا کہ ایک عام آدمی کا۔

ابوعبید کی کتاب[۱] الاموال میں خلیفۂ عادل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت کے ابتدائی عہد میں مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ اس مال (بیت المال) سے خلیفہ کے لئے کتنا لینا جائز ہے؟ سب نے مل کر کہا کہ اس کو اپنی ضرورت اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے لئے گزارہ لینا چاہیئے، جس میں کوئی کمی و بیشی نہ ہو۔ اسی طرح اپنے اور اپنے عیال کے لئے کپڑے لے۔ تقسیم مال میں خلیفہ کا سب کے برابر حصہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ تمہارے مال (بیت المال) میں میرا اتنا ہی حق ہے جس قدر کہ یتیم کے ولی کو یتیم کے مال میں۔ اگر مجھے حاجت نہ ہوگی تو کچھ نہ لوں گا اور اگر حاجتمند ہونگا تو دستور کے مطابق دوسروں کی طرح کھانے کے لئے لوں گا۔

کتاب الخراج میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو اہل عراق کی بیوہ عورتوں کو ایسا چھوڑوں گا کہ میرے بعد وہ کسی امیر کی محتاج نہ ہوں گی۔[۲]

اسی کتاب الخراج میں ایک قصہ نقل کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان سے کہنے لگے:

"اگر تم چاہتے ہو کہ تم کو اپنے ساتھی (ابوبکرؓ) کی رفاقت نصیب ہو تو چاہئے کہ کرتہ کو پیوند لگا ہوا ہو، ازار خستہ ہو، جوتیوں میں پیوند ہوں، اور موزے بھی پیوند والے ہوں۔ امید کو کوتاہ کرو اور کھانا بھی پیٹ بھر کر نہ کھاؤ۔[۳]

---

۱ کتاب الاموال، ابو عبید ص۲۶۶ ۲ کتاب الخراج ص۲۷ ۳ کتاب الخراج ص۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس طرح خلیفۂ عادل کے لئے بیت المال سے حاجت کے موافق مال لینے کی اجازت ہے اسی طرح حکومت کے اہل کاروں کے لئے بھی حاجت کے موافق بیت المال سے لینے کی اجازت ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

ثم ان کان الامام لا یستطیع بنفسہ ان یباشر جبایۃ الصدقات واخذ العشور وفصل القضایا فی کل ناحیۃ وجب بعث العمال و القضاۃ ولما کان اولئک لمشغولون بامر من مصالح العامۃ وجب ان تکون کفایتھم فی بیت المال۔

پھر جب کہ امام تنہا یہ قدرت نہیں رکھتا کہ وہ صدقات اور عشر کو خود وصول کرے اور ہر طرف کے جھگڑوں کو خود فیصل کرے، تب ضروری ہوا کہ وہ عمّال اور قضاۃ کو ہر جگہ مقرر کرے اور جب کہ قضاۃ اور عمّال مصالحہ عامہ کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں تو ضروری ہوا کہ ان کی معاشی ضرورت بھی بیت المال سے پوری کی جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ معاشرہ اور اجتماع کی سعادت، نام ہے قومی فلاح اور بہبودی کا۔ فرد کی سعادت اجتماع یا معاشرہ کی سعادت میں پنہاں ہے۔ معاشرہ کے جملہ حقوق اور منافع کو اسلام نے اجتماعیت اور اس کے افراد کے طبقات میں مشترک قرار دیا ہے اس لئے ہر فرد پر لازم ہے کہ معاشرہ کی بھلائی کے لئے سرگرم عمل رہے۔

اجتماعیت کی سعادت نظام عدل سے وابستہ ہے اور عدل کے قیام کے لئے کسی قانون کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح اجرام سماوی اور نظام کائنات میں اللہ تعالےٰ نے قانون تجاذب اور کشش سے باہمی ربط قائم کیا ہے اسی طرح انسانی اجتماع اور معاشرہ کے باہمی انتظام اور ربط کے لئے قانون احتیاج بنایا ہے جس میں ہر ایک فرد اپنی ضروریات میں دوسرے فرد کا محتاج ہوتا ہے، اسی باہمی احتیاج کی وجہ سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اسلام میں زکوٰۃ کا مرتبہ بھی دین کے ایک اجتماعی رکن کا مرتبہ ہے۔ جس سے اجتماع کی بہتری اور اجتماعی مصلحتوں کا انتظام وابستہ ہے۔ صرف زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ اسلام میں جتنے بھی مالی تصرفات ہیں ان سب کی حکمت اسلامی اجتماع اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرہ کی دنیاوی بہتری اور فلاح ہے۔ لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس سائنسی دور کی دنیا میں متمدن قومیں صرف ایک لمحہ میں اپنی قومی برتری و ترقی کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کررہی ہیں لیکن امتِ اسلامیہ کی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔ ہم نے جوئے اور ربا کے متعلق تو یہ سمجھا ہے:

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا (۲:۲۷۶)

تو کیا ہم پر یہ واجب نہیں ہے کہ ہم وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ (یعنی اللہ صدقات کو بڑھاتا ہے) کے مفہوم کو بھی سمجھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا، کِتَابُ اللّٰہِ وَ سُنَّۃُ نَبِیِّہٖ۔

میں نے تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک ان دونوں پر تمہارا عمل رہے تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے ایک چیز ہے اللہ کی کتاب اور دوسری چیز اس کے نبی (علیہ السلام) کی سنت ہے۔

اس حدیث کو شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مسوّٰی میں ذکر کیا ہے۔

پیغمبر علیہ السلام کی اپنی اجتماعی زندگی میں یہ سنت تھی کہ قوتِ لایموت پر کفایت کرتے تھے اور اپنی پوری کوشش اللہ کے کلمے کو بلند کرنے اور خلق اللہ کی تکالیف کو دُور کرنے میں صرف کرتے تھے۔ انسانی اجتماع اور تمدن میں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا کلمہ ہے اقتصادی ضرورتوں میں عدل کا قیام، اس معنی میں سنت معاشرہ کی خرابی کی اصلاح کے لئے ایک نافع اور بہترین علاج ہے۔

راقم السطور کے استاذ علامہ عبیداللہ سندھیؒ رفاہیت بالغہ اور آرام پرستی کی افراط کو حرام قرار دیتے تھے، اسی طرح اتنے کثیر اور وافر مقدار میں سرمایہ جمع کرنا بھی ان کے نزدیک حرام تھا جو رفاہیتِ بالغہ یا حد سے زیادہ آرام پرستی کا موجب ہو، اور اس کی حرمت کو شراب کی حرمت سے بھی زیادہ مضر سمجھتے تھے۔ یہ حرمت قواعد کی حرمت نہ سہی لیکن اخلاقی حرمت ہیں تو کسی کو بھی شک نہ ہوگا۔ حضرت الاستاذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرحوم کے پیشِ نظر پیغمبر علیہ السلام اور ان کے برگزیدہ ساتھیوں کی سیرت تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ مذکورہ حرمت کی اہمیت تو اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب قوم کے اکثر افراد محتاج اور مالی وسائل سے محروم ہوں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ (سورۃ الحدید)	جس مال میں اللہ (تبارک وتعالیٰ) نے تمہیں نائب بنایا ہے اس میں سے محتاجوں پر خرچ کرتے رہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے ہر مال میں نائب قرار دیا ہے، اصل ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ (۲۴: ۳۳)	اور تم حاجتمندوں کو اللہ کے اس مال سے دیا کرو جس کو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے۔

اس آیت میں بھی انسان کے مال کو اللہ کا مال بتایا گیا ہے اور اسے حاجتمندوں کی حاجت روائی اور ضرورت میں خرچ کرنے کے لئے حکم دیا گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابۂ کرامؓ نے یقیناً ان آیات پر عمل کر کے دکھایا اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے یہ اسوۂ حسنہ کا درجہ رکھتا ہے۔ خلیفۂ عادل فاروق اعظم کے بارے میں مذکور ہے کہ مال کے آخر میں اپنے گھر کو جھاڑو دے کر خالی کرتے تھے تاکہ انسانی معاشرہ کا کوئی بھی فرد محروم نہ رہ جائے[1]۔

---

[1] حروف اوائل السور تالیف علامہ موسیٰ جار اللہ ص ۲۳۴ مطبوعہ بھوپال

© rasailojaraid.com